

نگارشات متعلق شمس

ماخوذ از کتاب مولانا سید محمد باقر شمس شخصیت و فن مرتبہ جناب حسین انجم صاحب، پاکستان

(۱) عصر حاضر کی عظیم شخصیت

جناب حسرت کاظمی صاحب
مولانا سید محمد باقر شمس صاحب کی ذات گرامی مجموعہ
اوصاف حمیدہ ہے۔ آپ اپنی ذات میں ایک ایسا چمن زار بے
خس و خار ہیں، جس میں ادب تاریخ، تنقید، تحقیق، لسانیات اور
شاعری کے گلہائے رنگ اپنی پوری شادابی کے ساتھ کھلے
ہوئے ہیں اور اپنی مہک سے شائقین علم و ادب کے مشامِ جاں کو
معطر کر رہے ہیں۔

آپ کا ورودِ مسعود اس جہانِ رنگ و بو میں اگست ۱۹۰۹ء
کوشہرِ جوئیور میں ہوا۔ آپ ایک عظیم باپ کے عظیم فرزند ہیں۔
آپ کی تعلیم و تربیت کے متعلق جناب علامہ سید محمد رضی صاحب
قبلہ مجتہد نے لکھا ہے:

”آپ نے عظیم باپ حضرت مجتہد اعظم سرکار
مولانا استاذنا السید سبط حسین النجفی طاب ثراہ کی گود میں
پرویش پائی۔ یہی جناب شمس صاحب کی علمی ترقی اور
تحقیقی بلندی، نیز ارتقائے ذہن کا روشن مینار اور
تابناک اساس ہے۔“

موصوف کی تصنیفات و تالیفات کا مطالعہ کرنے والے
ان کی وسعت علمی، کمالِ فن، ذوقِ تحقیق، اعتدالِ تحریر، تنقید میں
انصاف پسندی اور اعلائے کلمۃ الحق میں بے لوثی اور بیباکی،
خاندانی وجاہت اور موروثی ذہانتِ خداداد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔
میں نے موصوف کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے۔ لکھنے کا طریقہ
انتہائی دلچسپ، معلومات سے بھرا ہوا ہے۔ ہر قدم پر گہری تحقیق

اور بغیر کسی فرقہ وارانہ اور یکطرفہ رجحان کے اپنی معتدل رائے کا
اظہار ہے اور اکثر و بیشتر باتیں موصوف کے بیانات میں ایسی بھی
آتی ہیں، جو آج تک کسی دوسرے مقالہ نگار یا مصنف نے نہیں
لکھی ہیں اور کسی کی بھی نظر ان کی طرف نہیں گئی۔

علم دین میں اسلامی نظام پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں جو
باتیں لکھی ہیں، وہ سب نئی ہیں۔ مثلاً: عرب میں ظہورِ اسلام کی
وجہ، مکہ میں ظہورِ اسلام کی وجہ، بنی ہاشم میں ظہورِ اسلام کی وجہ، ابو
طالب کے گھر سے ظہورِ اسلام کی وجہ، دعوتِ عشیرہ کی وجہ،
مخالفتِ قریش کی وجہ۔۔۔ پانچ سو صفحات کی کتاب (اسلام پر کیا
گزری) میں کوئی نظریہ، کوئی نکتہ، کوئی تحقیق، کوئی استدلال ایسا
نہیں ہے، جو اس سے پہلے کوئی کہہ چکا ہو۔ ان کی ہر تحریر وسعت
معلومات، وسعتِ نظر اور تحقیق کا شاہکار ہے۔ وہ جس طرح
ادب و تاریخ میں ایک منفرد ادیب و مورخ ہیں، ایک منفرد محقق
بھی ہیں۔

مولانا شمس صاحب کی علمی جامعیت اور صلاحیتِ فن کے
متعلق ڈاکٹر احسن فاروقی صاحب یوں رقم طراز ہیں:

”مولانا محمد باقر شمس صاحب نے علم و دینیات
میں اضافے کئے ہیں اور ادب میں ایک نئے علم کی بنیاد
رکھی ہے۔ تنقید نگاری میں ان کا جواب نہیں ہے۔ وہ
صرف شعر کے عیب ہی نہیں بتاتے، بلکہ اس کو درست
کر دیتے ہیں اور اصلاح کی وجہ بتانے میں جو توضیح
و تشریح کرتے ہیں، اس سے قاعدے منضبط ہوتے ہیں
اور فن کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک نعت پر تنقید میں
لکھتے ہیں کہ نعت کیسی ہونی چاہیے، کس طرح کے

مضامین ہوں اور کس طرح کے الفاظ ہونا چاہئیں۔ اس سے نعت گوئی کا فن قائم ہوتا ہے۔“
شعر میں انتخاب الفاظ کو کتنی اہمیت ہے اور اس میں ذرا سی چوک شعر کو غلط اور بے معنی بنا دیتی ہے، اس کی مثالیں پیش کی ہیں اور اس کو اصلاح سے درست کیا ہے۔
مولانا کی تنقید نگاری اور شعر پر اصلاح کے سلسلہ میں قارئین کی دلچسپی کی خاطر چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو غالب کا شعر:

تماشا کر اے محو آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
مولانا فرماتے ہیں ”تماشا“ کے معنی اردو میں کھیل کے ہیں۔ امیر مینائی کا شعر ہے:

ترے بندوں سے کرتے ہیں یہ بت دعا خدائی کا
تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبریائی کا
”چشم تماشا“، تماشا دیکھنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے، مگر ”تماشا کر“، ”تماشا دیکھ“، تماشا دکھا کھیل ہی کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ ”تماشا کر“، ”ادھر دیکھ“ کے محل پر بڑی بدذوقی اور لطفِ زبان سے محرومی ہے۔ شعریوں ہونا چاہیے:
ادھر ایک نظر، محو آئینہ داری
تجھے کس محبت سے ہم دیکھتے ہیں
اور سنئے:

کون ایسا ہے، جسے دست ہود لسانی میں
”دست ہو“ کے بجائے، ”درک“ ہو تو پاکیزگی ذوق کے گلے پر چھری نہ پھرتی۔
ایک اور مصرع:

ہوں میں وہ سبزہ کہ زہر آب آگاہے مجھ سے
”زہر آب“، پیشاب کو بھی کہتے ہیں۔ دست و پیشاب چرکین کے کہنے کی باتیں ہیں۔

یہ مصرع بھی ملاحظہ ہو
بروئے سفرہ کباب دل سمندر کھینچ
”کباب“ دسترخوان پر کھینچ، کہاں کی زبان ہے؟
گر نفس جادہ سر منزل تقویٰ نہ ہوا
یہ تقویٰ راضی کا قافیہ ہے۔ ایسی مثالیں ان کے کلام سے بہت مل سکتی ہیں۔ اب اختصار کے ساتھ دو، تین اشعار داغ دہلوی کے بھی ملاحظہ ہوں:

غش کھا کے داغ یار کے قدموں پہ گر پڑا
بے ہوش نے بھی کام کیا ہوشیار کا
شمس صاحب فرماتے ہیں کہ اپنی بات منوانے کے لئے پاؤں پر گرتے ہیں۔ دوسرا مصرع بتاتا ہے کہ ”غش“ مصنوعی نہ تھا اور پاؤں پر گرنے میں ارادہ کو دخل نہیں تھا۔ جس کے پردہ میں کوئی مقصود ہو، جب یہ غیر ارادی اور اتفاقی بات ہے تو قدموں پر گرنے کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ اس سے بہتر ”آغوش“ ہے
غش کھا کے داغ یار کے آغوش میں گرا
بے ہوش نے بھی کام کیا ہوشیار کا
”مہتاب داغ“ کی پہلی غزل کا مطلع
میں کلمہ گو ہوں خاص خدا و رسول کا
آتا ہے بامِ عرش سے مرثدہ قبول کا
(یہ مطلع غزل کا نہیں ہو سکتا) بہر حال شمس صاحب کہتے ہیں کہ ”کلمہ“، متکلم کا عقیدہ ہے۔ اس کے رد و قبول کا دوسرے مصرع سے تعلق نہیں۔ قبول یا رد نہ رانہ عقیدت ہوتا ہے اور وہ شاعر کی مدح و ثنا ہے۔ کلمہ کی قبولیت کا مرثدہ عرش سے آنا غلط ہے۔ شعریوں ہونا چاہیے:

مداح ہوں میں خاص خدا و رسول کا
آتا ہے بامِ عرش سے مرثدہ قبول کا
یہ بلاغت کی مثال تھی۔ اب فصاحت کو دیکھئے:
چڑھاؤ پھول میری قبر پر جو آئے ہو
کہ زمانہ گیا تیوری چڑھانے کا

”تیوری“ فصیح نہیں ہے۔ ”تیوریاں“ ہونا چاہیے، یعنی کہ اب زمانہ گیا تیوریاں چڑھانے کا

غیر کی لاش اٹھائی تو نہ ہو خواب میں آج
بارِ کاکل سے نہ دکھا کبھی شانہ تیرا
”دکھا بتشدید“ غیر فصیح ہے۔ مصرع یوں ہونا چاہیے:
بارِ کاکل سے دکھا تھا کبھی شانہ تیرا

یہ صحیح ہے کہ شعری ضرورت سے غیر مشد کو مشد کیا جا سکتا ہے، مگر یہ قاعدہ ہونا کافی نہیں ہے۔ اس پر عمل میں فصاحت کا لحاظ ضروری ہے، اسی وجہ سے انشانے اس قاعدہ کا یوں مذاق اڑایا تھا:

تشدید در شعر صحیح چرانہ باشد

اس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ قاعدہ سے تو یہ مصرع بھی صحیح ہے، مگر صرف قاعدہ کا سہارا لینا غلط ہے فصاحت کا باقی رہنا ضروری ہے۔ اب آئیے علامہ اقبال کی طرف ابتدائی بندوں کو بخوف طول چھوڑ رہا ہوں۔ شمس صاحب فرماتے ہیں کہ دسویں بند کے چاروں مصرعے اپنے مفہوم کو ادا نہیں کرتے

کشور ہند میں کلیسہ ناکام کا بت
عربستان میں شفا خانہ اسلام کا بت
اور لندن میں عبادت کدہ عام کا بت
لیگ والوں نے تراشا ہے بڑے نام کا بت
(شکوہ جواب شکوہ)

پہلا مصرع ”کلیسا“ کا لام مشد کرنے سے موزوں ہوتا ہے، جو ذوقِ سلیم کے خلاف ہے۔ معنوی سقم دیکھیے:

ہندوستان میں ناکام کلیسا، عرب میں اسلام کا شفاخانہ، لندن کا گر جا گھر اور لیگ، یہ سب بت ہیں۔ کیا شاعری اور کیا تلاش ہے! کہاں کہاں سے چیزیں اکٹھا کی ہیں! اب ہر ایک کا مطلب سمجھنا آپ کا کام ہے۔ شاعر اپنا کام کر چکا ہے۔

”بالِ جبریل“ کی پہلی نظم کا شعر:

میری نوائے شوق سے شورِ حریمِ ذات میں

غلغلہائے الاماں بتکدہ صفات میں

نوا: نغمہ، راگ، گانا۔۔۔ شوق، مرغوب۔

”نوائے شوق“ میں اضافتِ افتراقی ہے، یعنی وہ نغمہ، جو

مقرون بشوق ہو۔

حریم: مکان۔۔۔ ذات، وجود، شخصیت۔

”حریمِ ذات“ میں اضافتِ تشبیہی ہے، جس کے معنی ہیں

ذات کا مکان۔

الاماں: پناہ مانگنا۔۔۔ بتکدہ صفات: صفات کا بتکدہ۔ اس

میں اضافتِ بالاستعارہ ہے۔ ”ذات“ کو ”بتکدہ“ کہنے کا مطلب

یہ ہے کہ وہ ذات، جس کے صفات بت کی طرح باطل ہیں۔

مطلب یہ کہ جب میں اپنا پسندیدہ راگ الاپتا ہوں تو ذات، جو

اپنے صفاتِ باطلہ کے ساتھ ایک بتکدہ کی حیثیت رکھتی ہے، پناہ

مانگنے لگتی ہے، یعنی میری حقیقت آگس گفتگو ذات و صفات کا طلسم

توڑ دیتی ہے۔ یہ مطلب بھی کھینچ تان کر پیدا کیا گیا ہے، ورنہ حریم

ذات میں شور اور بتکدہ صفات میں الاماں کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں

میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں

حور و فرشتہ میرے تخیلات میں اسیر ہیں، یعنی میری سمجھ

سے باہر نہیں ہیں۔

خلل، خرابی، تعطل

خلل دہلی اور لکھنؤ میں ہریضہ کو کہتے ہیں، فلاں کو خلل ہو گیا،

یعنی ہریضہ ہو گیا۔ ممکن ہے اس میں ہضم یا معدہ محذوف ہو۔ اس

کے علاوہ دماغ میں خلل، کام میں خلل، نیند میں خلل، آرام میں

خلل، پڑھنے میں خلل، شعر کہنے میں خلل، سوچنے میں خلل کہتے

ہیں۔۔۔ مگر اس پر قیاس کر کے ہر چیز کے ساتھ آزادی سے

”خلل“ کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ جیسے شمع جلانے سے اندھیرے

میں خلل کوئی نہیں کہتا، کیونکہ شمع جلانے کا مقصد ہی اندھیرے کو

دور کرنا ہے۔ یہاں ”خلل“ کا استعمال غلط ہے۔ جس چیز یا کام

میں تعطل مقصود نہ ہو اور ہو جائے، وہ ”خلل“ ہے۔ جس کے کام

شمس صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں جدت یہ ہے کہ تمام شعرا کی آنکھ میں بجلی چمکتی ہے، اصغر گوٹوی صاحب کے سر میں بجلی چمکی، مگر مصرع میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ آنکھ کی بجائے، سر میں کیوں بجلی چمکی۔ اگر پہلے مصرع میں دو حرف بدل دیئے جائیں تو شعر درست ہو جائے گا۔

اس سے زیادہ اور کیا شوٹی کفش پا کہوں
بجلی سی اک چمک گئی میرے سر نیاز میں
مولانا کی کتاب ”شعور و شاعری“ سے یہ چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اس سے مولانا کے طرز نگارش اور طرز نقد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا کے تنقیدی مضامین، تصنیفات اور تالیفات ایسے دلچسپ اور مفید معلومات کا گنج بے بہا ہیں کہ ایک، دو بار پڑھ کر دل نہیں بھرتا۔ بلاشبہ آپ پر صغیر ہندوپاک کی عظیم شخصیت ہیں۔ خدا آپ کو طول عمر عطا کرے۔



(۲) سرمایہ افتخار

ڈاکٹر سید سبط حسن رضوی مدیر دانش، اسلام آباد
جناب مولانا محمد باقر شمس بر صغیر پاکستان و ہند کے مایہ ناز ادیب ہی نہیں، طبیب بھی ہیں اور خاموش خطیب بھی۔ تہذیب شرقی کی منہ بولتی تصویر اور اخلاق اسلامی کی جیتی جاگتی تفسیر بھی۔۔۔ ذی علم حضرات میں نابغہ روزگار اور ذی شعور طبقوں کے نزدیک سرمایہ افتخار۔ خاکسار ایسے کہ ہر تحریر کے آخر میں اپنے کو ذرۂ ناچیز لکھتے ہیں اور خود دار ایسے کہ پچاسی برس کی عمر میں بھی کسی سے کسی حاجت کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔ وضع دار ایسے کہ ابھی تک طفلی کی شوخی، جوانی کا تبسم، پختہ عمر کی متانت، پیرانہ سالی کی زینت بنی ہوئی ہے۔ بولتے ہیں تو لکھنؤ یاد آتا ہے، چپ رہتے ہیں تو سنگرامنؤ۔ وہ ایک باوقار، صاف شفاف اور پرکشش شخصیت

میں خلل پڑے، اس کے لئے ناگواری کا سبب ہے، لیکن ”خلل“ ڈالنے والے کا فعل اگر جان بوجھ کر ہے تو اس کا پسندیدہ ہے۔ تجلیات خداوندی میں خلل ڈالنا منشاء قدرت کے خلاف ہے، لیکن خلل ڈالنے والے کا پسندیدہ فعل ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میری نگاہ سے تیری تجلیات میں خلل پڑ جاتا ہے، یعنی میری نگاہ تیری تجلی ریزوں کو روک دیتی ہے۔ یہ بالکل بے معنی اور مہمل بات ہے۔ اس کے علاوہ ”تخیلات“، ”کا قافیہ“، ”تجلیات“ غلط ہے۔ ”فرشتہ“ کی جگہ ”فرشتے“ ہونا چاہیئے۔

مزید اشعار چھوڑ کر آخر کا ایک شعر لکھتا ہوں۔ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں ذیل کا شعر ترکیب و بندش کے لحاظ سے مبتدیانہ ہے:

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے، بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر
قصرِ سلطانی کا گنبد تیرے نشیمن کی جگہ نہیں ہے، یعنی مقام عیش و عشرت میں رہنا تجھے مناسب نہیں۔ اس مطلب کے ادا کرنے میں پہلی غلطی یہ ہوئی کہ گنبد پر جھونجھ نہیں لگایا جاسکتا، پھر قصرِ سلطانی کے گنبد پر جھونجھ کتنی بے ٹکی بات ہے! یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب وہ قصر شاہی کبھی رہا ہو۔ اب ویران و شکستہ ہو، گنبد میں داڑیاں پڑ گئی ہوں اور چڑیوں نے جھونجھ لگالیا ہو تو وہ مکانِ عیش نہیں، ویرانہ ہے اور اس کی یہ حالت مفید مطلب اور مقصودِ شاعر نہیں۔ اس کو یوں ہونا چاہیئے۔

نہیں زیبا ہے تجھ کو شاخِ گل پر آشیاں بندی
تو شاہیں ہیں، بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں
چٹانوں میں بھی غلط ہے، مگر ردیف کی مجبوری شاید جواز پیدا کر دے۔

آخر میں اصغر گوٹوی کے ایک شعر پر تنقید اور اصلاح ملاحظہ ہو۔ اس میں شاعر کی ندرتِ ادا کا بیان ہے۔
اس سے زیادہ اور کیا شوخی نقش پا کہوں
بجلی سی اک چمک گئی میرے سر نیاز میں

کے مالک ہیں۔

کراچی میں ایک مرتبہ ڈاکٹر احسن فاروقی کی رہنمائی اور دوسری مرتبہ ضمیر اختر نقوی (انیس شناس پاکستان) کی ہمراہی میں ان سے ملاقات ہوئی۔ کیا بتائیں، کیسے بات ہوئی۔ وہ مکمل زبان اور ہم ہمہ تن گوش، وہ مسلسل بیان اور ہم دم بخود خاموش۔ یوں محسوس ہوا جیسے شاہ گنج لکھنؤ میں استاد محترم سید مسعود حسن ادیب رضوی کے ادبستان یا شریعت کدہ ناصر الملت کے نخلستان میں بیٹھے ہوئے ہیں: ”رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے“۔

تہذیب و تمدن اور طریقت و شریعت کا جو امتزاج اس پرکشش شخصیت میں پایا جاتا ہے، وہ مجمع البحرین اور قران السعدین کی مثال رکھتا ہے۔ ویسے بھی وہ خاندان اجتہاد کے چشم و چراغ اور لکھنؤ مرحوم کی خاک پاک کے ایام ہیں۔ افکار میں ندرت اور ابلاغ میں جدت ہے۔ تحریروں میں لطافت، گفتگو میں حلاوت اور تنقیدوں میں متانت ہے۔

موصوف بہت سی ادبی، علمی اور دینی کتابوں کے مصنف ہیں۔ عرصہ ہوا مجھے حسین انجم (مدیر ”طلوع افکار“) نے مولانا کی بعض تصانیف اظہار نظر کے لئے ارسال کی تھیں اور اب عزیز می مولانا محمد حسین نقوی کی فرمائش پر، جو اس مرتبہ مولانا باقر شمس مدظلہ العالی کی دیگر تازہ کتابیں میرے لئے دلپذیر اور بے نظیر تحفوں کی شکل میں لائے ہیں۔ میں یہ چند جملے قلمبرداشتہ، تبرکاً اور تیمناً ”صریر خامہ اور نوائے سروش“ کی مدد سے رقم کر رہا ہوں، جو ہرگز ہرگز مولانا کے موصوف کی ”شخصیت اور فن“ پر احاطہ نہیں کرتے، مگر اشارہ ضرور کرتے ہیں اور ان اشارات کی تصدیق ان کی کتابوں کے عنوانات سے ہو سکتی ہے۔

حضرت شمس گو منظوم خراج عقیدت

جناب پروفیسر سردار نقوی صاحب

انسانیت کے حسن کی میزان علم ہے

ہے جو وقارِ خلق، وہ انسان علم ہے

باب کتاب عز و شرف ہیں جناب شمس
آئینہ علوم سلف ہیں جناب شمس
یہ خاندانِ علم کے چشم و چراغ ہیں
روشن ہے یہ نسب سے کہ روشن دماغ ہیں
اس دورِ بے جہت میں یہ ایسے ادیب ہیں
جو حرمتِ زبان و دیاں کے نقیب ہیں
ان کی نگاہ شعر جو ناسخ شناس ہے
یہ وہ ہیں، جن کوفن کے اصولوں کا پاس ہے
علم لسانیات پہ ہے ایسی دستگاہ
ہے جس کا اعتراف نہ کرنا بھی اک گناہ
میزان فکر میں جو مضامین نئے تلے
علم لسانیات کے ابواب نو کھلے
تحریریں وہ لکھیں قلم انتقاد سے
محفوظ رکھ سکیں جو ادب کو فساد سے
تاریخ پر عبور کا عالم نہ پوچھے
ہے فکر کتنی صائب و محکم نہ پوچھے
اسلام پر جو وقت کے ہاتھوں گزر گئی
وہ بات یوں لکھی کہ دلوں میں اتر گئی
جو لفظ، جو خیال سپرد قلم کیا
تاریخ کو دلیل بنا کے رقم کیا
کیا کہیے، ایک ذات میں کتنی جہات ہیں
گویا یہ اپنی ذات میں شہر صفات ہیں

نذر آبروئے شعر و ادب

سبح

مولو سید قائم مہدی نقوی ساحر اجتہادی

علم و حکمت کی جان باقر شمس

عظمتوں کا نشان باقر شمس

خوب سجتا ہے سجع یہ، ساحر

علم کا آسمان باقر شمس

اردو کی بقا کا عجب عنوان ہیں شمس
اس باغ کو پیغام بہاراں ہیں شمس
تحقیق، ادب، شاعری، تنقید، اصلاح
اک فرد نہیں ایک دبستاں ہیں شمس



کیا شمس ہیں، کیا شمس کی تابانی ہے
ایک ذات میں اوصاف کی ارزانی ہے
اس دور میں دیکھا ہے جو ایسا انساں
آئینہ صفت آنکھ کو حیرانی ہے



اک شمس کے انوار میں کیا کیا دیکھا
شعر و ادب و علم کا چہرہ دیکھا
اک شخص میں تہذیب کی دنیا دیکھی
اک ذات میں تاریخ کا جلوہ دیکھا



قصر ادب و علم کے در روشن ہیں
آفاق ہنر شام و سحر روشن ہیں
تحقیق و توارخ و زبان و تنقید
اک شمس سے کتنے ہی قمر روشن ہیں



سچ ہے کہ محقق یگانہ ہیں شمس
تحقیق کا بیشل خزانہ ہیں شمس
کہتے ہیں جنہیں محمد باقر شمس
اردو کا وہ اک تاج شہانہ ہیں شمس



دنیاۓ تمدن پہ کرم کرتے ہیں
تاریخ محبت کی رقم کرتے ہیں
جوش صفت ادب میں کرتے ہیں جہاد
وہ لوگ قلم ہی کو علم کرتے ہیں



کب مثل شعاع شمس اٹھایا نہ قلم
پیری نے بھی ہاتھوں سے چھڑایا نہ قلم
آنکھوں نے تو ضرور کی ہے طوطا چشتی
گرتی ہوئی صحت نے گرایا نہ قلم



Mohd. Alim

Proprietor

Nukkar Printing & Binding Centre

26-Shareef Manzil, J. M. Road,

Husainabad, Lucknow-3

0522-2253371, 09839713371

e-mail: nukkar.printers@gmail.com

التماس تر حیم

ہومنین کرام سے گزارش ہے کہ ایک بار سورہ حمد اور تین بار سورہ توحید کی
تلاوت فرما کر جملہ مومنین مرحومین خصوصاً مرزا محمد اکبر ابن مرزا محمد شفیع و
حسن جہاں بنت باقر علی خاں کے ارواح کو ایصال فرمائیں۔

محمد عالم

نگر پرنٹنگ اینڈ بائڈنگ سینٹر حسین آباد، لکھنؤ